بحث ونظر

فنِ تنقید میں رسول عربیؐ کے رہنما اصول

مولانا سرور عالم ندوی

تنقیدی شعور قدرت کا وہ انمول عطیہ ہے جو انسانوں میں اقدارِ عالیہ کے فروغ کے لیے ہر زمانہ میں کسی نہ کسی حیثیت سے ظہور پذیر ہوتا رہا، لیکن اس کی سب سے جولان گاہ وہ قرار پائی جو اقوام وملل کی تہذیب وتمدن کی آئینہ دار ہوتی ہے جسے ہم ادب کے نام سے جانتے ہیں، کیونکہ ادب انسانی زندگی کی ایسی تصویر ہوتا ہے جس میں انسانی جذبات واحساسات کے علاوہ مشاہدات، تجربات اور خیالات کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ اسے تفسیرِ حیات کا نام بھی دیا گیا ہے اور تفسیر حیات بغیر تنقیدی شعور کے ممکن نہیں، اس لیے تخلیق ادب کے ساتھ ہی تنقید کا عمل بھی شروع ہوجاتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب زبان وادب کے جس اعلیٰ مقام پر پہونچ چکے تھے اور فصاحت وبلاغت کا جو بلند معیار متعین ہوگیا تھا وہ ارباب علم ودانش سے مخفی نہیں۔ عربی ادب کی ابتدا بھی دنیا کی دیگر بڑی زبانوں کے ادب کی طرح شاعری سے ہی ہوئی، جو رفتہ رفتہ ان کی زندگی کا ایک حصہ بن گئی۔ وہی ان کے افتخار وامتیاز کا وسیلہ تھی۔ جس کے متعلق رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

ان الشعر کلام من کلام العرب تتکلم به فی نوادیها وتسل به الضغائن من بینها[۱]	شعر کلام عرب کا وہ اہم اور عمدہ حصہ ہے جس کو وہ اپنی مجلسوں میں پیش کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ اپنے کینوں کو دور کرتے ہیں۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

لاتدع العرب الشعر	عرب شعر سے اسی طرح کنارہ کش
حتی تدع الابل الحنین[۱۵]	نہیں ہو سکتے جس طرح اونٹنیاں اپنے بچوں سے شفقت و پیار کرنا نہیں چھوڑ سکتیں۔

لیکن ادب سے ان کی تمام تر شیفتگی اور وارفتگی کے باوجود ان کی کاوشوں کا دائرۂ عمل فن برائے فن کے حدود سے متجاوز نہ ہو سکا، اس سے زبان و بیان کا عظیم الشان ذخیرہ تو ضرور وجود میں آ گیا مگر ادب کا وہ صالح اور پاکیزہ مقصد نہ ظاہر ہو سکا جو افصح العرب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فطرت سلیم کی تسکین کا سبب اور ذریعہ ہوتا اور آپ کا ذوق لطیف اسے قبول کر لیتا، کیونکہ ادب کی صحیح قدر و قیمت معین کرنے کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس کا زندگی سے کتنا تعلق ہے؟ وہ کہاں تک زندگی کا صحیح مفہوم پیش کر سکتا ہے؟ اور اس کا مقصد زندگی کی صحیح ترجمانی نہیں بلکہ صحیح زندگی کی ترجمانی ہو۔ عہد جاہلیت میں یہ تصور دشوار تھا، اس لیے کہ ان کی زندگی کا دائرہ قبائلی عقائد اور ان کے رسم و رواج تک ہی محدود تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام تر توجہ ولولہ انگیزی، جذبات نگاری اور منظر کشی پر ہی مرکوز ہو کر رہ گئی تھی، اس بات کی وہ قطعاً پرواہ نہیں کرتے تھے کہ کوئی شعر اخلاقی اعتبار سے بلند ہے یا پست۔ اس صورت حال کو اخلاق کا معلم اکبر اور قوم کا مصلح اعظم جو درس گاہ خداوندی کا تربیت یافتہ، زبان و بیان کا رمز شناس اور عرب کے سب سے زیادہ فصیح و بلیغ قبیلہ قریش و بنو سعد کی آغوش کا پروردہ تھا، کب گوارہ کر سکتا تھا، جس کی توجہ کا مرکز قبائلی عقائد اور رسم و رواج کی جگہ صحیح دینی فکر اور اس کے احکام و آداب کی تبلیغ و دعوت تھا۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ادب عربی کا غالب عنصر شاعری تھا۔ اس لیے آپ کی اصلاحی کوششیں بھی سب سے پہلے اسی سمت متوجہ ہوئیں آپ نے ادب برائے ادب کے نظریہ کی جگہ ادب برائے زندگی کا تصور عطا کیا۔ ایک موقع پر عہد جاہلی کے سب سے بڑے شاعر امرأ القیس کے کلام پر تنقید کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:-

ذالك رجل مذكور في الدنيا	یہ ایسا شخص ہے جو دنیا میں قابل ذکر ہے
شريف فيها ، منسي في	اور دنیاوی اعتبار سے باعزت لیکن آخرت
الآخرة ، خامل فيها ، يأتي	میں گمنام ہوگا، اس کا نام ونشان تک
يوم القيامة ، مع لواء الشعراء	نہیں رہے گا، قیامت کے دن جہنم
إلى النار [۳۶]	کی طرف شاعروں کی قیادت کرتا ہوا آئے گا۔

اس اعلان نے پہلی مرتبہ تصور ادب میں اخلاق اور فن کی دو الگ الگ حیثیتیں مقرر کیں اور دونوں کے مجموعہ کا نام ادب رکھا۔

امرأ القیس کے کلام پر آپؐ کے اس تنقیدی بیان سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپؐ سرے سے شاعری کے ہی مخالف تھے کیونکہ قرآن نے شاعری کو گمراہی پھیلانے کا ذریعہ قرار دیا ہے، درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرآن کی آیت اَلشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ [۳۷] سے صرف وہ شعراء مراد ہیں جو قرآنی تبصرے کا مصداق ہوں یعنی وہ جو بے سروپا باتیں کرتے ہوں اور ان کے قول و فعل میں تضاد ہو۔ اس کے برخلاف وہ شعراء جو توحید پر ایمان رکھتے ہوں، حق گو اور حق کے علمبردار ہوں اور ان کے اقوال و اعمال میں مطابقت ہو وہ محمود اور مقبول ہیں [۳۸]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معیار نقد و نظر میں مقصدیت کو بھی بڑا مقام حاصل ہے یعنی قائل کے بجائے قول پر نظر ہونی چاہیے کہ کلام کا مقصد کیا ہے؟ اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ اگر مقصد عظیم اور اثرات مبارک ہیں تو وہ کلام بھی قابل اعتناء اور لائق توجہ ہوگا۔ اس کی تائید آپؐ کے عمل سے بھی ہوتی ہے، مثلاً فتح طائف کے بعد عصر جاہلی کے مشہور شاعر امیہ بن ابی صلت [۳۹] کی بہن فارعہ جب بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئیں تو آپؐ نے ان سے فرمایا کیا تمہیں اپنے بھائی کے کچھ اشعار یاد ہیں، فارعہ نے اس کے چند اشعار آپؐ کو سنائے۔

آپؐ نے فرمایا تمہارے بھائی کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کا تذکرہ اس آیت میں ہے:۔

الَّذِيْ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ	ہم نے اس کو اپنی نشانیاں دیں
مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ	لیکن وہ ان سے نکل بھاگا تو شیطان

مِنَ الْغٰوِیْنَ ۔ نے اس کا پیچھا کیا اور وہ گمراہوں میں سے ہوگیا۔
(الاعراف: ۱۷۵)

ایک روایت میں آپؐ کا جواب ان الفاظ میں نقل ہوا ہے :

"امن شعرہ وکفر قلبہ" اس کا شعر ایمان لے آیا لیکن اس کے قلب نے کفر کیا

اسیرانِ بدر میں سے نضر بن حارث کے قتل کے بعد اس کی بہن قتیلہ بنت حارث نے اپنے بھائی کا جو مرثیہ کہا تھا اس میں سے چند اشعار یہ ہیں:

أمحمد یا خیر ضنءٍ کریم ۔۔۔ فی قومہا والفحل فحل معرق

ما کان ضرّک لو مننت وربّما ۔۔۔ من الفتی وھو المغیظ المحنق

والنضر اقرب من قتلت قرابۃ ۔۔۔ واحقّھم ان کان عتق یعتق

لو کنت قابل فدیۃ لفدیتہ ۔۔۔ باعزّ ما یغلی بہ من ینفق

(ترجمہ: اے محمد آپ تو نجیب الطرفین ہیں آپ کا کیا بگڑ جاتا اگر آپ احسان کر دیتے خاص طور سے ایسے نوجوان پر جو شدید الغضب ہو اور نضر جس کو آپ نے قتل کیا وہ قرابت کے اعتبار سے اس بات کا زیادہ مستحق تھا کہ اگر کسی کے بارے میں آزادی ورہائی کا فیصلہ کیا جائے تو اسے آزاد کر دیا جائے۔ اگر آپ اس کی طرف سے فدیہ قبول کرتے تو میں فدیہ ادا کر دیتی اس لیے کہ وہ اس پر خرچ کئے گئے مال و دولت سے زیادہ قیمتی تھا۔)

جب یہ اشعار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے تو آپؐ نے فرمایا "اگر یہ اشعار اس کے قتل سے پہلے میرے پاس پہونچتے تو میں اس پر احسان کر دیتا" ؎

اسی طرح العلاء بن حضرمی نے ایک موقع پر آپؐ کے سامنے یہ اشعار پڑھے :-

وحیّ ذوی الاضغان تسب عقولھم ۔۔۔ تحیتک الحسنی وقد یرقع النعل

فان دحسوا بالکرہ فاعف تکرّما ۔۔۔ وان خنسوا عنک الحدیث فلا تسل

فان الذی یوذیک منہ سماعہ ۔۔۔ وان الذی قالو وراءک لم یقل

(ترجمہ: محلہ کے کینہ پرور لوگ اپنی عقل کے دشمن ہیں۔ یہ نازیبا حرکتوں میں الجھ کر ہی رہ جائیں گے اور خیر و کامرانی آپ کا قدم چومے گی۔ اگر یہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں جب بھی آپؐ ان سے درگذر کیجئے اور اگر یہ آپ کے خلاف چہ میگوئیاں

تو آپ ان کی طرف دھیان نہ دیں ۔ یہ لوگ جن کی باتیں آپ کے لیے بڑی تکلیف دہ ہیں، قابلِ مذمت ہیں یہ بیٹھ پیچھے ہی کچھ کہنے کے عادی ہیں ان کا کہنا نہ کہنے کے برابر ہے۔

ان اشعار کے سننے کے بعد آپ نے فرمایا:

ان من الشعر لحکمة فاذا البس علیکم من القراٰن فالتمسوه فی الشعر فانه عربی ۹	بیشک بعض اشعار حکمت سے بھرے ہوتے ہیں اگر قراٰن پاک کی کچھ چیزوں میں تمہیں التباس ہو جائے تو ان کو اشعار میں تلاش کرو اس لیے کہ اشعار صحیح اور فصیح عربی کی نمائندگی کرتے ہیں۔

یہ وہ مثالیں ہیں جو رسول کریمؐ کے ادبی ذوق کی آئینہ دار ہیں اور ان لوگوں کے خیالات کی تردید کے لیے کافی ہیں جو اسلام اور معلم انسانیتؐ کو ادب و شعر کے ارتقاء میں مزاحم تصور کرتے ہیں۔ شعر کا عیب و ہنر اس کے مقاصد اور اثرات سے وابستہ ہے نہ کہ نفسِ شعر سے۔ جس کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ ہیں کہ آپؐ نے شاعری کو کہیں تو شیطان کا آلۂ طرب کہا۱۰ اور کہیں تائیدِ الٰہی کا ذریعہ قرار دیا۱۱، امام عبدالقاہر جرجانی نے ایسے ہی بعض لوگوں کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

کیف ترکت قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من الشعر لحکمة وان من البیان لسحرا وکیف نسیت امره صلی اللہ علیہ وسلم بقول الشعر ووعده علیه الجنة و قوله لحسان "قل وروح القدس معك" وسماعه واستنشاده ایاه وعلمه به واستحسانه للعار تیاحه عند	تم نے کیسے رسول پاکؐ کے اس قول کو چھوڑ دیا کہ بعض اشعار حکمت کا خزینہ ہوتے ہیں اور بعض بیان جادو کا کام کرتے ہیں اور کیسے یہ بات فراموش کر دی کہ رسولِ اکرمؐ نے بعض مواقع پر شعر کہنے کا حکم دیا ہے اور اس پر جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ آپؐ نے حضرت حسانؓ سے فرمایا "شعر کہو روح القدس تمہارے ساتھ ہیں" آپ نے ان کے اشعار سنے ہیں۔ ان سے اشعار پڑھنے کی فرمائش کی ہے۔ ان کو پسند

سماعہ [۱۲] فرمایا ہے اوران کوسن کرآپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپؐ نے شاعری کی مطلقاً نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس خاص صنف کی مذمت کی جو تعلیماتِ اسلامی کے مخالف ہو، اوراس کے ذریعہ آپسی ناچاقی اورعصبیت بیدار ہوتی ہو، یہی وجہ ہے کہ سیرتِ نبوی میں متعدد ایسے شعرار کا تذکرہ ملتا ہے جنھیں بارگاہِ رسالت سے درجۂ استناد حاصل ہوچکا تھا۔ ان میں حمزہ بن عبدالمطلبؓ، علی بن ابی طالبؓ، کعب بن مالکؓ، حسان بن ثابتؓ، عبداللہ بن رواحہؓ اور عبیدہ بن الحارثؓ وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا" یارسول اللہ اشعرٌ وقراٰن" ؛ یعنی اے اللہ کے رسول قرآن کی موجودگی میں شعر کیوں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا "ھٰذا مرّۃ ھٰذا مرّۃ" [۱۳] (کبھی یہ کبھی یہ) نابغہ الجعدی کے ایک قصیدے پر آپؐ نے یہ دعا دی "لا یفضض اللہ فاک" [۱۴] اللہ تیرے منھ کو سلامت رکھے، لبید بن ربیعہ کے مصرعہ :

الا کلّ شیءٍ ما خلا اللہ باطل — اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل ہے

پر آپؐ نے فرمایا :

انہ اصدق کلمۃ قالہا شاعر [۱۵] — شاعر نے سب سے سچی بات جو کہی ہے وہ یہی ہے۔

طرفہ بن العبد کا ایک شعر ہے :

سیبدی لک الایامُ ماکنتَ جاھلا — ویاتیک بالاخبار من لم تزوّد [۱۶]

(ترجمہ: عنقریب زمانہ تم پر وہ چیز ظاہر کردے گا جس سے تم ناواقف ہو اور تمہارے پاس وہ شخص خبر لے کر آجائے گا جس کو تم نے اس مقصد کے لیے روانہ ہی نہیں کیا تھا)

اس شعر کو آپؐ نے بے حد پسند کیا اور فرمایا : ھٰذا من کلام النبوۃ [۱۷] (یہ کلام نبوت کے مانند ہے) خنساء کے اشعار سن کر آپؐ جھوم اٹھے اور فرمایا ھیہ یا خناس [۱۸]، (اے خنساء اور سناؤ) عنترہ بن شداد کا شعر ہے :

ولقد ابیت علی الطوی واظلہ — حتی انال بہ کریم المأکل

(ترجمہ: فقر و فاقہ کے ساتھ میں نے رات گزاری یہاں تک کہ صبر و قناعت میں میں نے بڑے بڑے شرفاء کے مرتبہ کو پا لیا۔)

یہ شعر سن کر آپؐ نے صحابہ کرام سے فرمایا: "کسی عرب کی تعریف نے میرے دل میں اس سے ملاقات کا شوق نہیں پیدا کیا لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ اس شعر کے کہنے والے کو دیکھنے کے لیے میرا دل بیتاب ہے"[۱۹]

اسی طرح حد سے بڑھی ہوئی مدح سرائی اور مبالغہ آرائی ادب جاہلی کا امتیاز اور فن کی معراج تصور کی جاتی تھی۔ اسے کذب بیانی اور دروغ گوئی کے ذریعہ آراستہ کیا جاتا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مبالغہ آرائی کی نکیر کی اور اس کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا:

اهلكتم او قطعتم ظهر	تم لوگوں نے اس شخص کو ہلاک کر دیا
الرجل[۲۰] والله يقول فلا	یا فرمایا اس کی کمر توڑ دی حالانکہ اللہ تعالیٰ
تزكوا انفسكم[۲۱]	فرماتا ہے "تم لوگ اپنے نفس کی پاکی کے
	دعوے نہ کرو"

ان تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے عصر جاہلی کے ممتاز شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ کو "اشعر الشعراء" کا خطاب صرف اس لیے دیا تھا کہ:

كان لا يعاظل بين	وہ قول میں پیچیدگی اختیار نہیں کرتا
القول ولا يتبع حوشى الكلام	تھا، نامانوس الفاظ کا استعمال نہیں کرتا
ولا يمدح الرجل الا بما	تھا اور لوگوں کی بے جا تعریفیں نہیں
هو فيه[۲۲]	کرتا تھا۔

غرض شعراء جاہلی کے کلام پر آپؐ کے ان تبصروں سے جو چیز مترشح ہوتی ہے وہ یہ کہ آپ کے پیش نظر موضوع کی افادیت و اہمیت سب سے مقدم تھی۔ آپؐ کلام میں دینی جذبات کی نمائندگی، معنی کی پاکیزگی، فکر کی بلندی، شعور کی بالیدگی اور اخلاق و اقدار کی حکمرانی چاہتے تھے، ایسے ادب کی تشکیل کرنا چاہتے تھے جو انسانی معاشرے کی صحیح رہنمائی کا فریضہ انجام دے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے جس طرح شاعری کی اصلاح فرمائی اسی طرح نثر کے اسلوب و انداز بیان میں بھی زبردست انقلاب پیدا کر دیا۔

اگرچہ اس زمانہ میں نثر کا رواج کم تھا اور اس کو شاعری جیسی اہمیت حاصل نہیں تھی، تاہم جس قدر بھی تھی اس میں ثقل وپیچیدگی، سجع وقوافی اور معنی ومفہوم میں سختی ودشواری کا عنصر غالب تھا اور ان کی تمام تر کوششیں اور کاوشیں اسی سمت میں ہوتی تھیں اور یہی ان کے امتیاز وافتخار کا وسیلہ تھی۔ اس دور کے نثری ادب کا سب سے بڑا نمونہ کاہنوں کا کلام ہے جس کو نہ صرف یہ کہ آپ کی فطرت سلیم نے گوارہ نہیں کیا بلکہ اس اسلوب کی پیروی کرنے والوں پر آپ نے تنقید فرمائی، کیونکہ اس میں خواہ مخواہ کی عبارت آرائی، تصنع اور طول کلام میں اصل مقصد نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا ہے۔ ابن اثیر نے "المثل السائر" میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ آپؐ نے جنین کی دیت غلام یا باندی مقرر فرمائی تو ایک شخص نے کہا "أأدی من لا شرب ولا أکل ولا نطق ولا استھل ومثل ذالک یُطل" (کیا میں اس کی دیت ادا کروں جس نے نہ کھایا نہ پیا نہ بولا نہ حرکت کی، اس کی تو کچھ دیت نہیں ہونی چاہیے) تو آپؐ نے فرمایا:

"اسجعا کسجع الکہانۃ؟	کیا کاہنوں کی سی مسجع عبارت میں بات
وکذالک کان الکہنۃ کلھم،	کرتے ہو۔ ان لوگوں سے جب بات کی
فانھم کانوا اذا سئلوا	جاتی تو مسجع عبارت میں اس کا جواب
عن امرجاء وابالکلام مسجوعا"[۲۳]	دیتے تھے۔

ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا:

"ان اللہ یبغض البلیغ من الرجال	اللہ تعالیٰ کو وہ فصیح اور چرب زبان
الذی یتخلّل بلسانہ تخلّل	شخص ناپسند ہے جو اپنی زبان سے
الباقرۃ بلسانھا"[۲۴]	یوں چرتا ہے جس طرح گائے چرتی ہے۔

اسی طرح نبوی معیار نقد ونظر نے کلام میں بے جا تکلف وتصنع کو بھی غیر مستحسن قرار دیا کہ اس انداز بیان سے سوائے حقیقت سے دوری اور بیان میں طوالت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اسی لیے آپؐ نے فرمایا:

ھلک المتنطّعون[۲۵]	ہلاک ہوئے وہ لوگ جو بناوٹ سے باتیں کرتے ہیں یعنی تکلف وتصنع سے کام لیتے ہیں۔

نیز آپؐ کا ارشاد ہے:

وان من ابغضکم الیّ و ابعدکم منّی یوم القیامۃ الثرثارون والمتشدّقون والمتفیہقون [۲۶]	مجھے سب سے زیادہ ناپسند اور قیامت میں مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو کلام میں بے جا تکلف سے کام لیتے اور حق سے دور نکل جاتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں۔

ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا:

ایّاک والتشادق [۲۷]	کلام میں بے جا تکلف سے بچو

یہ ارشادات جن میں رسول اکرمؐ کا غیظ و غضب سمٹ آیا ہے درحقیقت اس اسلوب کی پیروی کرنے والوں کے لیے ایک طرح کے تازیانے ہیں۔

تحریر و تقریر اور عام گفتگو میں بھی الفاظ کا انتخاب بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، کیونکہ الفاظ کے اندر ایک حرارت ہوتی ہے جس کا اثر متکلم اور سامع دونوں پر پڑتا ہے، اسی سے ادب میں زندگی اور تابندگی پیدا ہوتی ہے، ایسا ادب جس سے معاشرے کو فائدہ حاصل ہو اور اصلاح و تربیت کا کام انجام پائے اس میں دقیق مشکل الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرنا اور سادگی اور سنجیدگی کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے تاکہ ادب کا یہ مبارک مقصد حاصل ہو سکے جس کی طرف رسول عربیؐ نے انتہائی مختصر اور بلیغ جملے "من بدا جفا" [۲۸] (جس نے بدویت اختیار کی اس کے اندر سختی اور درشتی پیدا ہو جاتی ہے) کے ذریعہ رہنمائی فرمائی ہے، یہ وہ مختصر جملہ ہے جس میں سہل اور آسان الفاظ کے انتخاب کی تعلیم اور سخت اور درشت لہجہ سے بچنے کی تلقین لطیف پیرائے بیان میں کی گئی ہے۔ یہ دورِ جاہلیت کی تخلیق کا نمونوں پر تبصرہ بھی ہے اور نسل آئندہ کی اصلاح و تربیت کا ذریعہ بھی۔

کلام میں ایجاز ادب کی جان اور فن کی روح ہے، اس سے کلام میں حسن اور معنی کی افادیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ تصور خاص تعلیم نبویؐ کا فیض ہے جس سے عصر جاہلی کا کلام بالکل خالی اور افراط و تفریط کا شکار رہا ہے، وہاں یا تو اغلاق و اختصار کی انتہا تھی یا پھر تفصیلات کا غیر مربوط دفتر جو مزاج نبوی کے خلاف تھا، چونکہ آپؐ

اعتدال کے داعی تھے اس لیے آپؐ کی طبع لطیف نے اسے گوارا نہیں کیا اور ایجاز واعتدال کی راہ اختیار کرنے کا حکم فرمایا، حضرت عمارؓ فرماتے ہیں:

أمرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم باطالة الصلوة وقصر الخطب"[۲۹]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو نمازوں کو طویل کرنے اور خطبوں کو مختصر کرنے کا حکم فرمایا۔

آپ نے مخاطب کی ذہنی سطح کی رعایت کا بھی حکم دیا ہے کیونکہ ذہانتیں مختلف ہوتی ہیں، انسانی معیار تفہیم وتدبر میں یکسانیت نہیں ہوتی، اگر ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں کی گئی تو اس سے وہ مقاصد حاصل نہیں ہوسکتے جس کی توقع ایک صالح ادب سے کی جاسکتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

انّا اُمرنا معشر الانبیاء بان نکلم الناس علی مقادیر عقولهم[۳۰]	ہم انبیاء کی جماعت کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے ان کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو کریں۔

ایجاز اور مقتضائے حال کے مطابق کلام کا ہونا ادب کے دو اہم وصف ہیں جن میں بلاغت کی روح پنہاں ہے یعنی اختصار کے ساتھ خوبصورت انداز میں اس طرح اپنی بات پیش کی جائے کہ مخاطب کو اس سے پورا پورا فائدہ حاصل ہو۔ یہی اصل اور حقیقی کلام بلکہ ادب ہے جس کو زبان نبوت نے بلاغت کی سند عطا فرمائی ہے ابوالہلال العسکری نے "کتاب الصناعتین" میں ایسے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں جن کو اللہ کے رسولؐ نے پسند فرمایا اور ان کو بلاغت قرار دیا، مثلاً ایک موقع پر ایک شخص نے دوسرے سے کہا" کفاك الله ما اهمّك " (اللہ تعالیٰ تمہاری ضرورت پوری کرے) یہ جملہ سن کر آپؐ نے فرمایا هٰذه البلاغة (یہ بلاغت ہے) اسی طرح ایک شخص نے دوسرے سے کہا " عصمك الله من المكاره" (اللہ تمہیں برائیوں سے بچائے) تو آپؐ نے فرمایا هٰذه البلاغة[۳۱]

یہ وہ تبصرے ہیں جو فن ادب میں مزاج نبوت کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں اور ایسے اصول ومبادی میں تبدیل ہوجاتے ہیں جو ادبی تنقید میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، جنھوں نے موضوعاتی اور لغوی دونوں پہلو پر نظر رکھ کر ایسا پیمانہ مقرر کردیا ہے

جس کی رعایت سے صالح اور کارآمد ادب وجود میں آسکتا ہے، جس میں حقیقت کا اظہار، تکلفات سے بیزاری، زبان کی روانی، الفاظ کی شیرینی، فکر کی بلندی اور حسن ایجاز کی جلوہ گری نظر آئے جو معاشرے کی اصلاح اور وجدان وشعور کو صحت وصالحیت کی راہ پر گامزن کرنے کا سبب ہو اور ایک صحت مند اور پاکیزہ ادب کی تخلیق کا وسیلہ بنے، جو دینی، تہذیبی، اخلاقی اور معاشرتی قدروں سے ہم آہنگ ہو، اخوت ومساوات، ہمدردی وبھائی چارگی، حق گوئی وخدا ترسی، راست گیری و پاک بازی کا داعی ہو، جن پر عمل پیرا ہو کر ماہرین فن، ادب کے گیسوئے خمدار کو اپنے حسنِ ذوق سے اس طرح آراستہ کر سکتے ہیں کہ اس کے ہر پیچ وخم میں زبان کی حلاوت ولطافت، ذوق کا حسن ونزاکت، معنی کی خوبی وطہارت، فکر کی عظمت ورفعت، حسن اخلاق کی دعوت، قول وعمل کے تضاد سے بغاوت اور خدا ورسول سے محبت کا عنصر شامل ہو۔ اس ادب کے بہترین نمونے ابتدائے اسلام کی تحریریں خصوصاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات، رسائل اور اقوالِ کریمہ ہیں جن کی اتباع وتقلید کے جذبے نے تحریر وتقریر کا انداز بدل دیا تھا، جس کی وجہ سے فنِ تنقید کے امام ابن سلاّم کو یہ کہنا پڑا کہ:

> "اگر جاہلیت اور اسلام کے دور کا تجزیہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کے زمانہ میں لوگ اجنبی اور غیر مانوس کلام کو ناپسند کرتے تھے اور مٹھاس، تازگی اور تسلسل کے حامل کلام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے اور ایسے کلام کو بھی پسند کرتے تھے جس کی تفہیم آسان ہو اور جس سے لطف اندوز ہونے کی توقع ہو، جاہلیت کے شعراء تعریف میں بے حد مبالغہ سے کام لیتے تھے لیکن جب اسلام آیا تو اس دور میں اکثر شعراء کے درمیان صداقت ہی اصل معیار قرار پائی"[۲۲]

حواشی ومراجع

ﻟﮧ ابوزید القرشی، جمہرۃ اشعار العرب، المطبعۃ الرحمانیہ مصر سنہ ۱۹۲۶ء ص ۲۹

ﺳﮧ۲ نقوش لاہور رسول نمبر جلد ہشتم مضمون فصاحت نبوی از ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ص ۳۵۲

ﺳﮧ۳ ابن قتیبہ، الشعر والشعراء، دار الثقافۃ، بیروت سنہ ۱۹۶۴م جلد اول ص ۶۸ مسند احمد کی روایت میں

صرف امرأ القیس صاحب لواء الشعراء الی النار کے الفاظ ہیں۔ دیکھئے جلد دوم ص ۲۲۸

۴ سورہ الشعراء آیت ۲۲۴

۵ اس موضوع پر امام زمخشری نے اپنی تفسیر "الکشاف"، ابن خلدون نے اپنے مقدمہ ص ۴۲۸ اور ڈاکٹر عبدالعزیز عتیق نے "تاریخ النقد الادبی" ص ۴۴ میں مفصل روشنی ڈالی ہے۔

۶ عصر جاہلی کے اس ممتاز شاعر کا کلام آنحضور کو پسند تھا۔ اس کے متعلق ایک موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا: کاد امیہ بن ابی الصلت أن یسلم (امیہ اسلام قبول کرتے کرتے رہ گیا۔) صحیح بخاری کتاب المناقب، باب ایام الجاہلیۃ۔ امام مسلم نے حضرت شریدؓ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دن آپؐ نے ان سے فرمایا کیا تمہیں امیہ بن ابی الصلت کے کچھ اشعار یاد ہیں۔ انھوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ، آپؐ نے سنانے کی فرمائش کی، انھوں نے ایک شعر سنایا۔ آپؐ نے فرمایا اور سناؤ یہاں تک کہ آپؐ کی فرمائش پر انھوں نے امیہ کے ایک سو اشعار سنائے (صحیح مسلم، کتاب الشعر)

۷ حافظ ابن حجر العسقلانی۔ الاصابہ، مطبعۃ مصطفیٰ محمد مصر ۱۹۳۹ء جلد چہارم ص ۳۶۳-۶۴

۸ دکتور احمد احمد بدوی، من النقد الادبی، مکتبۃ نہضۃ مصر القاہرہ، ص ۲۴

۹ شیخ بیومی السباعی، تاریخ القصہ والنقد، مکتبۃ الانجلو المصریہ ۱۹۵۶ء ص ۱۱۳

۱۰ جوامع الکلم

۱۱ صحیح البخاری، کتاب الادب، باب ھجاء المشرکین (اللہم ایدہ بروح القدس)

۱۲ امام عبدالقاہر الجرجانی، دلائل الاعجاز، مطبعۃ مجلۃ المنار مصر ص ۱۳

۱۳ مقدمہ دیوان حسان ص ۴۴ بحوالہ نقوش رسول نمبر جلد ہشتم۔

۱۴ حافظ ابن حجر العسقلانی، الاصابہ، ۳/۵۰۹

۱۵ صحیح البخاری، کتاب الادب، باب مایجوز من الشعر والرجز

۱۶ امام ترمذی نے اس شعر کے دوسرے مصرع کو حضرت عائشہؓ کی روایت سے عبداللہ بن رواحہ کی طرف منسوب کیا ہے (جامع ترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی انشاد الشعر) لیکن صاحب تحفۃ الاحوذی نے اس انتساب کو مجازی قرار دیا ہے۔ حقیقت میں یہ شعر طرفہ بن العبد البکری کا ہے اور خود حضرت عائشہؓ نے بھی اس کو طرفہ کی طرف ہی منسوب کیا ہے جیسا کہ مسند احمد کی روایت میں ہے۔

۱۷ ابن عبدربہ نے العقد الفرید میں اس روایت کے ساتھ "ھذا من کلام النبوۃ" کا اضافہ کیا ہے۔

اوراس کو آنحضورؐ کا قول قرار دیا ہے۔

۱۸ السباعی، تاریخ القصہ والنقد فی الادب العربی ص۱۱۳

۱۹ تاریخ ادب عربی ترجمہ از ڈاکٹر طفیل احمد مدنی از دیباچہ۔

۲۰ صحیح البخاری، کتاب الادب، باب مایکرہ من التمادح۔

۲۱ ذیل الامالی (ص۱۲۲) میں اس روایت کے ساتھ "واللہ یقول فلا تزکّوا انفسہم" کا اضافہ ہے۔

۲۲ ابن قتیبہ۔ الشعر والشعراء ۱/۷۶

۲۳ ابن الاثیر، المثل السائر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی القاہرہ ۱۹۳۹ء ص۱۱۶، امام بخاری نے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے: کیف اغرم یا رسول اللہ من لا شرب ولا اکل ولا نطق ولا استہل مثل ذلک بطل، فقال النبیؐ انما ھٰذا من اخوان الکہان صحیح البخاری، کتاب الطب باالکہانۃ۔

۲۴ سنن ابی داؤد کتاب الادب، باب ماجاء فی التشدق فی الکلام۔

۲۵ صحیح مسلم۔ کتاب العلم باب النہی عن اتباع متشابہ القرآن۔

۲۶ ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی معالی الاخلاق

۲۷ المبرد: الکامل، مطبعۃ مصطفیٰ البابی مصر بابلی بمصر ۱۹۳۷ء جلد اول ص۷

۲۸ مسند امام احمد بن حنبل ۲/۳۷۱، ۴۴۴، ۴/۲۹۷

۲۹ جاحظ نے ابوالحسن المدائنی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ نے ایک مرتبہ تقریر فرمائی اور بڑے اختصار سے کام لیا، لوگوں نے عرض کیا کہ اگر آپ کچھ مزید ارشاد فرماتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ اس کے جواب میں انھوں نے یہ حدیث سنائی .... البیان والتبیین مطبعۃ الاستقامۃ القاہرہ ۱۹۵۶ء ۱/۳۰۳

۳۰ قدامہ بن جعفر، نقد النثر، دارالکتب المصریۃ القاہرہ ۱۹۳۳ء ص۸۲

۳۱ ابوالہلال العسکری، کتاب الصناعتین دار احیاء الکتب العربیۃ القاہرہ ۱۹۵۲ء الباب الخامس ص۱۹۳

۳۲ محمد بن سلام الجمحی، طبقات فحول الشعراء